تحقیق وتنقید

عہد نبوی میں فوجی تنظیم
افسروں کے عزل ونصب کی حکمت عملی

ڈاکٹر محمد لیسین مظہر صدیقی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱ھ/۶۲۲ء میں جس اسلامی ریاست کی مدینہ منورہ میں بنیاد ڈالی وہ مختلف مراحلِ نشیب وفراز سے گزرتی ہوئی ۱۱ھ/۶۳۲ء میں آپ کی وفات سے قبل اوجِ کمال کو پہونچی۔ اسی طرح حکومتِ الٰہی بھی رفتہ رفتہ ارتقاء پذیر ہوتی رہی اور بالآخر وہ جزیرہ نمائے عرب کی حدتک اپنے بامِ عروج سے ہم کنار ہوئی۔ ان دونوں کے قیام ارتقاء اور تکمیل میں کلیدی کردار آپ کی عسکری تنظیم اور فوجی محکمے نے ادا کیا تھا۔[1] ایک اعتبار سے اسلامی ریاست کا یہ سب سے فعال اور موثر شعبہ تھا، اور اسلام کے سیاسی اداروں اور حکومتی محکموں میں اس کو اولیت کا شرف بھی بڑی حدتک حاصل تھا۔ کیونکہ ہجرتِ نبوی کے بعد مواخات[2] اور دستور مدینہ[3] کے نفاذ کے ساتھ ساتھ اولین مہمیں بھی ترتیب دی گئی تھیں[4] اور انھیں کے ساتھ نبوی فوجی تنظیم کا آغاز ہوا تھا۔ اس عسکری نظام میں جن افسروں اور کارکنوں کو مقرر کیا گیا تھا ان میں سرایا کے امیر، جیشِ نبوی کے سالار، حرس کے افسر وکارکن، معسکر یا خیمہ گاہ کے سالار، عرض ومعاینہ کے نگراں ومہتمم، خیل یا شہسوار فوج کے کماندار، صوبائی فوج کے سپہ سالار، اسلامی افواج کے علم بردار، طلیعہ یا گشتی دستوں کے افسر وسپاہی، جاسوس ونگراں، راہبر ودلیل، اموالِ غنیمت کے افسر، اسلحہ ہتھیار کے نگراں اور محافظِ جسم دستوں کے سالار شامل تھے۔[5] ان گوناگوں افسروں اور سالاروں کی تقرری کن بنیادوں پر ہوتی تھی اور اس کے سلسلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ عملی اور پالیسی کیا تھی؟ اس مضمون میں اسی مسئلہ پر تاریخی مآخذ کی روشنی میں بحث کی جائے گی۔

اسلامی عسکری تنظیم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کو سب سے پہلے سمجھ لینا ضروری ہے۔ نظریاتی اعتبار سے یہ اب ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عہد نبوی کے نظام حکومت میں خواہ اس کا تعلق فوجی محکمہ سے ہو خواہ شہری انتظامیہ سے تمام اختیار واقتدار کا حق ذاتِ نبوی کو حاصل تھا کہ آپ زمین پر خدا کے فرستادہ وپیغمبر ہونے کے ناطے خلیفۃ اللہ تھے اور خدائے بزرگ و برتر کے احکام و ہدایات کے مطابق حکومت کرتے تھے عملی اور تاریخی لحاظ سے آپ کے اختیار واقتدار کے حق کو پہلے بیعت عقبہ اولیٰ (۱۲ نبوی/ ۶۲۱ء) اور بیعت عقبہ ثانیہ (۱۳ نبوی/ ۶۲۲ء) میں صراحت کے ساتھ یا مضمر انداز میں تسلیم کیا گیا تھا اور ہجرت کے بعد دستورِ مدینہ (۱ھ/ ۶۲۲ء) میں خاص کر اس کی دفعہ ۳۶ میں واضح کیا گیا تھا اور اس کو تمام باشندگانِ مدینہ نے خواہ ان کا تعلق مسلم طبقاتِ انصار و مہاجرین سے ہو خواہ غیر مسلم طبقاتِ یہود و عرب سے، برضا و رغبت قبول کیا تھا۔[5] چنانچہ مونٹگمری واٹ کا یہ سوال و مباحثہ کہ آپ کو عسکری قیادت کا حق کس نے دیا تھا[6] بے محل بھی ہے اور لاطائل بھی۔ تاریخی حقائق ثابت کرتے ہیں کہ روز اول سے آپ نے اور دوسرے اختیارات کے مانند عسکری وفوجی قیادت کے اختیار کا بھرپور استعمال کیا تھا اور اہلِ مدینہ میں سے کسی کی جانب سے بھی اس کے خلاف نہ صدائے احتجاج اٹھی تھی اور نہ اس پر نکیر کی گئی تھی۔

اسی سلسلہ میں ایک دوسرا اہم نکتہ بھی یہاں ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام سیاسی اختیارات مستقل طور سے حاصل تھے اور ان میں عسکری قیادت کا حق بھی شامل تھا۔ گویا کہ صرف ذاتِ نبوی ہی اسلامی افواج کی سالار اعلیٰ تھی اور اسی کو دوسرے افسرانِ حکومت کی مانند سالارانِ لشکر کے عزل و نصب، تقرری و تبدیلی اور برخاستگی کا اختیار حاصل تھا۔ ظاہر ہے کہ دوسرے امرائے لشکر جن کو آپ اپنے اختیارات کے تحت مقرر فرماتے تھے عارضی ہوتے تھے اور ان کی تقرری ایک خاص مدت کے لیے ہوتی تھی۔ نظریاتی طور سے سیاسی اصطلاح میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ اختیار قیادت کو عارضی طور سے اپنے نائب کی طرف منتقل کر دیتے تھے اور وہ اس بنا پر قائدِ لشکر بن جاتا تھا۔ ایک اور تاریخی سبب بھی سالارانِ لشکر کی تقرری کی عارضی نوعیت کا سبب بنا تھا اور وہ یہ تھا کہ اسلامی ریاست کی کوئی باقاعدہ مستقل فوج نہیں تھی۔ شہر و اطرافِ شہر کی کل مسلم آبادی فوج تھی یعنی ہر مسلمان پر بوقتِ ضرورت وطلب فوجی خدمت

لازمی تھی، چنانچہ جب کبھی ضرورت پیش آتی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی فوج موقعہ و محل کے تقاضے کے لحاظ سے طلب فرما لیتے اور مناسب سمجھتے تو خود اس کی کمان فرماتے اور اگر ضرورت سمجھتے تو اپنے کسی صحابی کو یہ اختیارِ قیادت منتقل فرما دیتے۔ ایسے امیر لشکر کا اختیارِ قیادت یا پروانۂ تقرری صرف اسی مہم یا موقعہ کے لیے ہوتا اور جوں ہی مہم ختم ہوتی اس کی تقرری بھی ختم ہو جاتی اور قیادت کا اختیار پھر ذاتِ نبوی کو منتقل ہو جاتا کہ آپ ہی اصل سرچشمۂ اختیار تھے۔ اسلامی تاریخ میں آپ کی قیادت میں جانے والی مہموں کو غزوات اور صحابہ کرام کے زیرِ کمان مہموں کو سریہ/سرایا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

امرائے سرایا کی تقرری اور عہدہ کی یہی عارضی نوعیت تھی کہ دس برس کی مدنی مدت میں تقریباً چوہتر تقرریاں انچاس افراد کو بطور امیر سریہ حاصل ہوئیں[۹]۔ تقرریاں اور قائدین کی تعداد کے درمیان اس واضح فرق سے یہ حقیقت از خود عیاں ہو جاتی ہے کہ بعض سالارانِ نبوی کو ایک سے زیادہ مرتبہ عسکری و فوجی کمانداری کی سعادت ملی تھی۔ ایک تحلیلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ افراد کو دو مرتبہ سالاری کا عہدہ ملا تھا ان میں حضرات ابو عبیدہ بن جراح فہری، ابو قتادہ خزرجی، عمرو بن عاص سہمی، عبداللہ بن رواحہ خزرجی، عکاشہ بن محصن اسدی/خزیمی اور بشیر بن سعد خزرجی شامل تھے[۱۰]۔ تین بار قیادت کرنے والے سالار حضرات علی بن ابی طالب ہاشمی اور محمد بن مسلمہ اوسی تھے چار چار سرایا کی کمان کرنے والوں میں صرف حضرات خالد بن ولید مخزومی اور غالب بن عبداللہ لیثی تھے[۱۲]۔ لیکن تعداد کے اعتبار سے سب سے اہم قائد سریہ حضرت زید بن حارثہ کلبی تھے جن کو یہ عہدۂ جلیلہ گیارہ یا تیرہ بار بہ اختلاف روایت تفویض ہوا تھا۔ لیکن صراحت کے ساتھ ان کی تقرری کا بیان صرف نو سرایا میں ملتا ہے[۱۳]۔ ان اعداد و شمار کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ نصف سے کچھ کم تقرریوں پر ان مذکورہ بالا قائدوں کا قبضہ رہا تھا اور صرف چونتیس سالاروں کو ایک بار یہ عہدہ ملا تھا۔

مذکورہ بالا تجزیے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ تمام سالارانِ سرایا میں حضرت زید بن حارثہ کلبی کو سب سے زیادہ اعتمادِ نبوی حاصل تھا۔ اور ظاہر ہے کہ آپ کے اعتماد کا سبب حضرت زید بن حارثہ کی فوجی صلاحیت اور قائدانہ لیاقت تھی۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت تو ان کی کامیابی تھی جو انہوں نے اپنی تمام مہموں میں حاصل کی تھی۔ اس کے علاوہ دو روایتیں بھی ہیں جو ان کی تقرری کے عامل یا سبب کو بالکل واضح کر دیتی ہے۔ اول یہ کہ اگر کسی سریہ میں حضرت زید بن حارثہ شامل ہوتے تھے تو لازمی طور سے کمان انھیں کو سونپی جاتی تھی[۱۴]۔ دوسری روایت کا اگرچہ براہِ راست تعلق حضرت زید کی تقرری کی بجائے ان کے فرزند دلبند حضرت اسامہ کی تقرری سے ہے تاہم اس سے ان دونوں سالارانِ سرایا کی تقرری کے عامل

پر روشنی پڑتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید کی تقرری پر وقتاً فوقتاً اشراف قریش کے ایک خاص طبقہ کی جانب سے ان کے موالی ہونے اور سماجی فروتر مقام کے سبب اعتراض و نکتہ چینی دبے لہجہ میں ہوتی رہی تھی جو حضرت اسامہ کی تقرری کے وقت غالباً ان کی کمسنی و ناتجربہ کاری کے سبب کھل کر زبانوں پر آگئی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے باوجود اس نکتہ چینی اور اعتراض کا اپنے خطبہ عالیہ میں جواب دیا اور ان دونوں سالاروں کی تقرری کو ان کی صلاحیت و لیاقت کی بنیاد پر حق بجانب قرار دیا۔[۱۵] ظاہر ہے کہ ان کی قائدانہ صلاحیتوں اور فوجی لیاقتوں سے کسی بھی طبقہ کو انکار نہیں تھا۔ ان پر اعتراض ان کی سماجی فروتری کے سبب کیا گیا تھا جس کو اسلام اور پیغمبر اسلام نے درخور اعتنا نہیں سمجھا اور خاندانی شرف و بزرگی کو تقرری کی بنیاد نہیں گردانا۔ طبقۂ اشراف کے اس اعتراض کو اس تاریخی پس منظر میں دیکھنا چاہیے کہ قیادہ کا حق قبیلۂ قریش کے بنوامیہ اور بنومخزوم کے افراد کو مکی اشرافیہ میں جاہلی اور اسلامی عہد میں فتح مکہ تک حاصل رہا تھا۔[۱۶] اس لیے وہ غیر قریشی قیادت خاص کر موالی یا جاہلی نقطۂ نظر سے غیر شریفانہ طبقہ کی قیادت کو اپنی توہین سمجھتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پدر و فرزند کی تقرری سے خاص کر اور دوسرے غیر قریشی افراد کی تقرری سے عام طور پر اس جاہلی اور غیر اسلامی عقیدہ پر کاری ضرب لگائی تھی۔ اور صلاحیت اور لیاقت ہی کو اصل بنیاد تقرری اور وجہ منصب قرار دیا تھا۔ چنانچہ مذکورہ بالا اہم ترین سالاران سرایا کی عسکری قیادت کی صلاحیت سے بالعموم کسی کو اختلاف نہ تھا۔ خاص کر حضرات خالد بن ولید مخزومی، غالب بن عبداللہ لیثی، عمرو بن عاص سہمی اور ابوعبیدہ بن جراح فہری اپنی قائدانہ لیاقتوں کے لیے تاریخ اسلام میں ممتاز و نمایاں ہیں۔

قائدوں اور امیروں کی انفرادی فوجی صلاحیت اور قائدانہ لیاقت کے علاوہ تقرری کی دوسری بنیادوں میں مہمات نبوی کی نوعیت، موقعہ و محل کی مناسبت اور اس موقعہ و مہم کے لیے قائد لشکر کی موزونیت بھی خاص اہم چیزیں تھیں۔ اس کی روایتی اور واقعاتی دونوں طرح کی شہادتیں مآخذ میں ملتی ہیں۔ واقدی کی روایت ہے کہ شوال ۷ھ / فروری ۶۲۹ء میں سریہ الجناب کے موقعہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک موزوں قائد کی تلاش تھی۔ آخری فیصلہ سے قبل آپ نے حضرات شیخین —— ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ —— سے اس باب میں مشورہ کیا اور دونوں نے بیک وقت اور متفقہ طور سے حضرت بشیر بن سعد خزرجی انصاری کا نام تجویز کیا جسے آپ نے بلا پس و پیش قبول فرمالیا۔[۱۷] دل چسپ بات اس امر میں یہ ہے کہ اس سے صرف دو ماہ قبل حضرت بشیر اسی علاقہ اور اسی دشمن کے خلاف ایک مہم لے کر جاچکے تھے اور اس میں وہ روایات کے مطابق بہت زیادہ کامیاب نہیں رہے تھے۔ بظاہر اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اول مہم میں ان کا دستہ

عددی اعتبار سے بہت چھوٹا تھا کہ اس میں کل تیس مجاہد شامل تھے[۱۸] اور غالباً ناکامی دشمن کی غالب تعداد کے سبب ہوئی تھی۔ بہرکیف دوسری مہم میں ان کی فوج کی طاقت کافی تھی اور وہ اس بار پوری طرح کامیاب و بامراد لوٹے تھے۔ سریہ نخلہ کے بارے میں جو ۲ھ/۶۲۴ء میں ہوا تھا ایک روایت طبری کے یہاں ملتی ہے کہ پہلے حضرت ابوعبیدہ بن جراح فہری کو اس مہم کا سالار مقرر کیا گیا تھا مگر پھر کچھ سوچ کر حضرت عبداللہ جحش اسدی حلیف بنوامیہ کو کمان سونپی گئی تھی[۱۹]۔ اگرچہ اس تبدیلی کا کوئی واضح سبب نہیں مذکور ہوا ہے تاہم یہ بآسانی معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ کے لیے حضرت عبداللہ زیادہ موزوں خیال کئے گئے تھے جبکہ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ دونوں صحابی انفرادی طور سے قائدانہ صلاحیت سے وافر حصہ رکھتے تھے۔ غزوہ موتہ میں حضرات زید بن حارثہ کلبی، جعفر بن ابی طالب ہاشمی اور عبداللہ بن رواحہ خزرجی کی بالترتیب منصب سالاری پر تقرری ان کی موزونیت کے اعتبار سے تھی اور ان تینوں کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید مخزومی کی قیادت محض ان کی صلاحیت کے سبب جائز ہی نہیں قرار دی گئی تھی بلکہ دربار رسالت سے اس کی تحسین و تعریف بھی ہوئی تھی حالانکہ باشندگان شہر نے حضرت خالد کی فوجی حکمت عملی سے اختلاف کیا تھا اور ان پر فرار کا الزام لگا کر ان کی صلاحیت پر شک کا اظہار کیا تھا[۲۰]۔ فتح مکہ کے بعد سریہ جزیمہ میں صحابی موصوف کی ایک غلطی پر تنبیہ ضرور کی گئی تھی مگر ان کی قائدانہ لیاقت سے انکار نہیں کیا گیا تھا[۲۱] اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ بعد کی مہموں میں اسی طرح امیر سریہ مقرر کیے جاتے رہے۔ سریہ ذات السلاسل کی مہم میں حضرت عمرو بن عاص سہمی کی فوجی صلاحیت کے ساتھ ان کی موقعہ کے لحاظ سے موزونیت بھی وجہ تقرری بنی تھی کہ صحابی موصوف کے بنوبلی کے ساتھ قرابت کے تعلقات تھے اور ان سے مہم میں امداد و تعاون کی توقع تھی جو عین منشائے نبوی کے مطابق پوری ہوئی۔ اس نوع کی اور روائتیں بھی ماخذ میں تلاش کی جاسکتی ہیں مگر ان کا استقصا یہاں مقصود نہیں، مطلوب صرف یہ دکھانا ہے کہ موقع/مہم کی مناسبت اور قائد کی موزونیت بھی ایک وجہ تقرری تھی۔

ان روایتی شہادتوں کے مقابلہ میں واقعاتی شہادتیں بہت زیادہ ہیں جو سالاران نبوی کی تقرری کے اس سبب کو زیادہ اجاگر کرتی ہیں۔ اسلامی ریاست کے یہودی دشمنوں کی سرکوبی کے لیے جن پانچ مہموں کو ترتیب دیا گیا تھا ان کے قائدوں کے انتخاب میں یہ اصول مدنظر رکھا گیا تھا کہ وہ لازمی طور سے حریف قبیلوں کے حلیف ہوں تاکہ قصاص کا مسئلہ نہ پیدا ہو[۲۲]۔ اسی پس منظر میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری کی حضرت ابوسفیان بن حرب اموی کے خلاف مہم کی سالاری پر تقرری کو بھی دیکھنا چاہیئے[۲۳]۔ فتح مکہ کے بعد اصنام عرب اور قبائلی تبکدوں کو توڑنے کے لیے جو مہمیں ترتیب دی گئی تھیں ان کی

کمان بھی ان کے ہی اپنے مسلم افراد یا حلیفوں کے سپرد کی گئی تھی[۲۴]۔ ابتدائی مہموں کے بارے میں یہ روایت بڑی مشہور ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی انصار مدینہ موجود و شریک نہ تھے لہٰذا فطری طور سے قیادت کی ذمہ داری مہاجرین میں سے موزوں سالاروں کو تفویض کی گئی تھی۔ قریش مکہ کے خلاف تمام بڑی مہموں کی قیادت خود آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اور اوسط درجہ کی مہموں کی سالاری خاص کر قریشی کاروانوں پر تاخت والی سرایا کی کمان زیادہ تر حضرت زید بن حارثہ کلبی کو عطا فرمائی تھی۔ عرینہ کے لٹیروں کے خلاف حضرت کرز بن جابر فہری کی تقرری کا سبب دراصل ان کی چھاپہ مار صلاحیت معلوم ہوتی ہے کہ بعینہ اسی انداز سے خود صحابی موصوف نے قبول اسلام سے قبل جنگ بدر سے ذرا پہلے مدینہ کی چراگاہ پر کامیاب تاخت کی تھی اور دلچسپ امر یہ ہے کہ حضرت کرز انہی اس جوابی اسلامی مہم میں بھی پوری طرح کامیاب رہے تھے[۲۵]۔ بنو تمیم کے خلاف ایک مہم میں حضرت عینیہ بن حصن فزاری کی تقرری کا سبب بنو تمیم اور ان کے قدیم حلیف بنو اسد سے ان کے پرانے دوستانہ تعلقات معلوم ہوتے ہیں[۲۶]۔ اسی طرح مذہبی اور تبلیغی نوعیت کی مہموں میں قیادت کی بنیاد دینی بصیرت اور مذہبی جوش و ولولہ کے ساتھ ساتھ عسکری صلاحیت بھی تھی۔ چنانچہ بئر معونہ، ذات رجیع، ذات اطلاع اور یمن کی دو مہموں میں بالترتیب حضرت منذر بن عمرو خزرجی، مرثد بن ابی مرثد غنوی حلیف بنی ہاشم، کعب بن عمیر غفاری، خالد بن ولید مخزومی اور علی ابن ابی طالب ہاشمی کی تقرریاں انھیں اسباب و عوامل کے سبب ہوئی تھیں[۲۷]۔ ایسی متعدد مثالیں ماخذ میں جابجا ڈھونڈھی جاسکتی ہیں۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے کہ سالاران سرایا کی تقرریاں اور عہدے مختلف قبائل عرب اور ان کے بطون میں اچھی طرح منقسم تھے، اور یہ لازمی نتیجہ تھا اس حقیقت کا کہ سالاری کا عہدہ انفرادی صلاحیت اور موقعہ و محل کی مناسبت سے دیا جاتا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجی حکمت عملی کا ایک اہم پہلو اس بحث سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی حکومت میں ہر قبیلہ اور بطن کو جو اسلامی ریاست کا ہمنوا بن چکا تھا اور قائدانہ صلاحیتوں سے متصف تھا ان کے افراد کی تعداد کے مطابق اسلامی سرایا کی کمان داری و سالاری کا موقعہ دیا گیا تھا۔ چنانچہ قریش کی کل پچیس تقرریوں میں سے پانچ اور اٹھارہ امرا میں سے تین بنو ہاشم سے، پانچ تقرریاں اور دو امیر بنو مخزوم سے، چار تقرریاں اور اتنے ہی قائدین بنو امیہ سے اور اسی طرح تین اور دو عہدے بالترتیب بنو فہر اور بنو زہرہ سے متعلق تھے جبکہ بقیہ بنو مطلب، بنو تیم اور بنو عدی کو ملے تھے۔ متعدد بطون قریش اس سے محروم بھی رہے تھے۔ خزرج کے قبیلہ کو اٹھارہ تقرریاں ان کے آٹھ امرا کو ملی تھیں جبکہ اوس کے تین قائدوں نے چھ بار یہ اعزاز حاصل کیا تھا۔ کلب کے دو فرزندوں

نے دس بار (۱۰۹) بنو اسد/خزیمہ کے تین امراء نے چار بار، کنانہ کے چار افراد نے سات مرتبہ اور ازد و قیس عیلان کے دو دو افراد نے ایک ایک بار یہ اعزاز حاصل کیا تھا۔ باقی عرب قبائل میں بلی، سلیم، غطفان اور بجیلہ کو محض ایک بار سالاری کی سعادت ملی تھی۔[۲۸]

اوپر کے تجزیہ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ تقریباً ایک تہائی تقرریوں اور ایک چوتھائی سے کچھ کم امرائے سرایا کا تعلق قریش سے تھا۔ اور یہ فطری بات تھی کیونکہ قریش نہ صرف عددی لحاظ سے پورے جزیرہ نمائے عرب کے سب سے زیادہ بڑے اور طاقتور گروہوں میں سرفہرست تھے بلکہ فوجی صلاحیتوں اور قائدانہ لیاقتوں کے لحاظ سے بھی ان کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔ اور قریش میں قیادہ کے لحاظ سے سب سے بلند مقام بنو امیہ کو حاصل تھا جس کا اظہار ان کے امراء کی تعداد سے بھی ہوتا ہے۔ یہی بات بنو مخزوم اور بنو سہم کے لیے بھی کہی جا سکتی ہے کہ ان کے دو نمائندے حضرات خالد بن ولید اور عمرو بن عاص مدت سے عسکری قیادت کے لیے ممتاز چلے آرہے تھے جبکہ بقیہ بطون قریش عسکری صلاحیتوں کے لیے اتنے ممتاز نہ تھے۔ انصار مدینہ کے دونوں قبیلوں کے تقابلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خزرج کو اوس پر یک گونہ عددی اور فوجی برتری حاصل تھی جس کا ایک ثبوت جاہلی ایام عرب میں خزرج کی فتحیابی سے ملتا تھا اور اس کی تصدیق مزید عہد نبوی میں ان کے افراد کی زیادہ عسکری تقرریوں سے ہوتی ہے۔ بقیہ قبائل عرب میں بنو اسد اور کنانہ کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ عہدے غالباً اس لیے ملے تھے کہ ان کے باصلاحیت افراد اوروں کے مقابلہ میں زیادہ تر اسلامی ریاست کے شہری بن چکے تھے۔ اسی سبب سے مدنی دورِ حیاتِ طیبہ کے نصف آخر میں قریش کے بنو امیہ، بنو مخزوم اور بنو سہم کو زیادہ عہدے ملے تھے جبکہ دوسرے قبائل عرب میں ہوازن، غطفان، کنانہ اور ازد کو ترجیح دی گئی تھی۔ اصل اصول مختلف قبائل عرب کے افراد میں متناسب عسکری قیادت کی موجودگی تھی۔ جہاں تک علاقائی نمائندگی کا تعلق ہے تو مرکزی عرب کے تین مسلم طبقات قریش، خزرج اور اوس کو فطری طور سے زیادہ عہدے ملے تھے کہ ان میں اسی ترتیب سے فوجی قیادت کی صلاحیت بھی تھی اور وہی امت اسلامی اور ریاست الٰہی کی ریڑھ کی ہڈی تھے۔ ان کے بعد مغربی اور مشرقی قبیلوں کو اسی ترتیب سے نمائندگی ملی تھی کیونکہ مرکز اسلام سے ان کی قربت اور اسلام سے ان کی وفاداری مہاجرین و انصار کے بعد ہی آتی تھی۔ شمالی اور جنوبی قبیلوں کو بجا طور سے اس طبقہ افسران نبوی میں قلیل نمائندگی ملی تھی کہ ان کے افراد اسلامی ریاست کے دورِ جنگ و نبرد آزمائی میں کم تھے اور اسی اعتبار سے ان کی عسکری صلاحیتیں اور قائدانہ لیاقتیں محدود تھیں۔[۲۹]

موقعہ ومحل کے لحاظ سے موزونیت ومناسبت کے ضمن میں دشمن وحریف کی فوجی صلاحیت اور اس کے اعتبار سے اسلامی مہم کی فوجی طاقت کا لحاظ اور ان دونوں عوامل کے مطابق قائد کی موزونیت بھی ایک اہم سببِ تقرری تھا۔ تمام سرایائے نبوی کا تحلیلی تجزیہ بتاتا ہے کہ عددی اعتبار سے ان کو سات خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اول وہ مہمیں تھیں جن میں مسلم سپاہ سو مجاہدین سے کم پر مشتمل تھیں۔ ان کی کمان جن چونتیس[۳۴] سالاروں نے کی تھی ان میں سے آٹھ قریش سے، نو خزرج سے، پانچ اوس سے، تین کنانہ سے اور دو دو اسد اور قیس عیلان سے متعلق تھے۔ جبکہ باقی کا تعلق کلب، سلیم، بجیلہ، ہوازن اور غطفان سے تھا۔ دوم سو سے دو سو سپاہ پر مشتمل سات سرایا بھیجے گئے تھے ان میں سے دو دو مہموں کی تین صحابہ کرام حضرات زید بن حارثہ کلبی، علی بن ابی طالب ہاشمی اور غالب بن عبداللہ لیثی نے کمان کی تھی جبکہ باقی ایک کی سالاری حضرت ہشام بن عاص اموی کے حصہ میں آئی تھی۔ سوم دو سو سے تین سو مجاہدین پر مشتمل پانچ مہمیں تھیں اور ان کی پانچ مختلف سالاروں حضرات بشیر بن سعد خزرجی، ابوعبیدہ بن جراح فہری، خالد بن سعید اموی، علی بن ابی طالب ہاشمی اور علقمہ بن مجزز کنانی نے قیادت کی سعادت حاصل کی تھی۔ چہارم وہ مہمات تھیں جن میں تین سو سے چار سو سپاہی تھے ان کی کل تعداد صرف دو تھی اور ان دونوں کی سالاری حضرت خالد بن ولید مخزومی نے کی تھی۔ پنجم چار سو سے پانچ سو سپاہیوں پر مشتمل تین مہموں کی قیادت تین امیروں حضرات زید بن حارثہ کلبی، خالد بن ولید مخزومی اور عمرو بن عاص سہمی نے انجام دی تھی۔ ششم سات سو سپاہ پر مشتمل واحد مہم کی سالاری حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری کے نصیب میں آئی تھی۔ اور ہفتم عددی اعتبار سے سب سے بڑے دو سرایا تھے جن میں تین تین ہزار مجاہد شامل تھے اور ان کی سالاری بنیادی طور سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مولیٰ حضرت زید بن حارثہ کلبی اور ایک مولیٰ زادہ حضرت اسامہ بن زید کلبی نے سنبھالی تھی، اگرچہ ان میں سے اول الذکر سریہ کی قیادت کا ثانوی اور جزوی فرض حضرات جعفر بن ابی طالب ہاشمی اور عبداللہ بن رواحہ خزرجی نے بھی انجام دیا تھا۔ مآخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ ان تمام مہموں میں مسلمانوں کو کامیابی ملی تھی اور مذکورہ بالا تجزیے سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ تمام امراء سرایا نہ صرف قائدانہ صلاحیت رکھتے تھے بلکہ وہ ان مواقع کے لیے موزوں بھی تھے۔ مختلف مواقع پر ایک ہی قائد کا انتخاب بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا انتخاب موقعہ ومحل کی مناسبت سے ہوا تھا۔[۳۵]

مسلم علماء اور عوام دونوں میں یہ عام تاثر پایا جاتا ہے کہ سابقین اولین (سب سے پہلے/ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کرنے والوں) کو ریاستی مناصب اور فوجی عہدے پانے کا حق ان کی سابقہ دینی خدمات اور قربانیوں کے سبب دوسروں سے زیادہ حاصل تھا خواہ ان میں دوسرے درجہ کی تنظیمی صلاحیت اور عسکری لیاقت

پائی جاتی ہو۔ اگرچہ عہد نبوی اور خلافت شیخین کے ضمن میں یہ بحث نہیں اٹھائی جاتی بلکہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ اس عہد مبارک میں سابقین اولین کو ترجیح دی جاتی تھی اور یہی ترجیحی پالیسی جب خلافت عثمانی میں نظر انداز یا ترک کر دی گئی اور سبقت اسلام کے لحاظ سے دوسرے درجہ کے منتظمین اور قائدین کی تقرری عمل میں آئی تو سابقین اولین کو شکوہ پیدا ہوا اور پھر اسلامی خلافت میں خرابی در آئی اور اس کے نتیجہ میں خلافت ہی پارہ پارہ ہو کر رہی[31]۔ بہر حال سوال یہ ہے کہ کیا سابقین اولین کے بارے میں حکومت نبوی کی یہ ترجیحی پالیسی تھی یا نہیں؟ جہاں تک امراء سرایا کا تعلق ہے ایک تجزیہ یہ واضح کرتا ہے کہ فوجی افسران نبوی کے اس طبقہ میں سابقین اولین، مومنین متوسطین اور مسلمین متاخرین تینوں طبقات کے افراد شامل تھے۔ انچاس امیران سرایا میں سے تیرہ حضرات بالکل ابتدائی مکی دور کے تھے جبکہ پانچ حضرات نے دار ارقم میں قیام نبوی کے زمانے کے بعد کسی وقت اسلام قبول کیا تھا۔ تیسرے مکی دور کا کوئی مسلم اس طبقہ میں شامل نہیں البتہ آخری مکی دور کے پندرہ حضرات اس طبقۂ عمال میں شامل ہیں۔ مدنی حیات طیبہ کے پانچ ادوار میں سے چار امراء کا تعلق بدر سے پہلے زمانے سے ہے جبکہ بدر اور احد کے زمانے کا کوئی مسلم اس میں شامل نہیں۔ احد اور حدیبیہ کے درمیانی زمانے کے تین امیر اس طبقہ میں شامل ہیں جبکہ حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصے کے چار حضرات شرکت و شمولیت کی سعادت رکھتے ہیں۔ طلقاء مکہ میں سے ایک اور فتح مکہ اور وفات نبوی کے آخری دور کے پانچ مسلم اس طبقہ افسران میں شامل ہیں۔ بقیہ چار امیروں کے بارے میں ہماری معلومات ناقص ہیں۔ بہر حال تینتیس[33] مکی عہد کے مسلم اس طبقہ میں شامل ہیں اور تقریباً سترہ مدنی عہد کے[34]۔ ان اعداد و شمار کی روشنی میں یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ اس طبقہ افسران نبوی میں بہر حال کثرت سابقین اولین کی تھی لیکن یہاں یہ بھی دھیان میں رکھنا ضروری ہے کہ ان مکی امراء سرایا میں وہ تمام مدنی امراء بھی شامل ہیں جو بیعت عقبہ اولیٰ یا بیعت عقبۂ ثانیہ میں ایمان لائے تھے اور اس اعتبار سے وہ مکی مسلمانوں میں شامل ہو گئے ہیں ورنہ حقیقت میں وہ مدنی دور کے مسلم تھے اور ظاہر ہے کہ سبقتِ اسلام کے لحاظ سے وہ اور ان کے بعد کے ادوار کے مسلمان سابقین اولین کے ہم پلہ نہ تھے۔ اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر مواقع پر سابقین اولین کے مقابلے میں متوسط یا متاخر دور کے مسلمانوں کو بھی ترجیح دی تھی۔

ابتدائی مدنی عہد میں جب آپ نے غزوات و سرایا ترتیب دیئے تو آپ کو سابقین اولین کی ہی خدمات حاصل تھیں اور ظاہر ہے کہ آپ کو انھیں میں سے چار و ناچار اپنے فوجی افسروں اور قائدوں کو منتخب کرنا تھا۔ مگر اس سلسلہ میں آپ نے الاسبق فالاسبق (یعنی سب سے اولین اور پھر ان کے بعد کے عہد کے مسلمانوں کو بہ لحاظ ترتیب زمانہ) کا اصول نہیں اپنایا۔ غزوہ بدر سے قبل کے چار ابتدائی

سرایا میں آپ نے بالترتیب حضرات حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی، عبیدہ بن حارث مطلبی، سعد بن ابی وقاص زہری اور عبداللہ بن جحش اسدی کو انتخاب فرمایا تھا جبکہ ان سے بھی قدیم اور اسبق مسلمان موجود تھے۔ حضرت زید بن حارثہ کلبی بعض روایات کے مطابق اولین مسلم تھے اور مشہور روایات کے مطابق وہ چار اولین مسلمانوں میں تو شامل ہی تھے مگر ہجرت نبوی کے پورے سوا دو برس بعد جمادی الآخرہ ۳ھ/نومبر ۶۲۴ء میں پہلی بار وہ سالار بنائے گئے تھے اور دوسرے اولین مسلم حضرت ابوبکر صدیق کو تو پورے سات برس بعد شعبان ۶ھ/دسمبر ۶۲۷ء میں ایک سریہ کی کمان سونپی گئی تھی اور وہ بھی ایسے سریہ کی جو فوجی لحاظ سے بہت معمولی تھا اور درحقیقت جس کی اپنی کوئی آزاد حیثیت بھی نہ تھی۔ دوسرے سابقین اولین میں حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو ہجرت کے چوتھے برس حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری اور حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی کو چھٹے برس، حضرت عمر بن خطاب عدوی کو اپنے عظیم ساتھی اور پیشرو کی مانند ساتویں برس، ہشام بن عاص اموی اور خالد بن سعید اموی وغیرہ کو آٹھویں برس یہ سعادت ملی تھی۔ اس تجزیہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولین، متوسطین اور متاخرین کو مختلف زمانوں میں بالحاظ توقیت و ترتیب زمانہ فوجی سالاری کے لیے چنا گیا تھا۔ اس بحث میں دو مثالیں بڑی دل چسپ ملتی ہیں۔ حضرات خالد بن ولید مخزومی اور عمرو بن عاص سہمی صلح حدیبیہ تک نہ صرف اسلامی ریاست کے دشمن بنے رہے تھے بلکہ انھوں نے اپنی بھرپور عسکری صلاحیتیں اس کے خلاف استعمال کی تھیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد وہ دونوں حضرات اسلام لائے اور چند ماہ ہی اندر اندر ان دونوں کو اسلامی سرایا کی کمان دوسرے متعدد سابقین اولین کے مقابلے میں عطا کی گئی۔ اسی طرح حضرات کرز بن جابر فہری، عبداللہ بن غنم عبسی، ابان بن سعید اموی، ابو سفیان بن حرب اموی، عینیہ بن حصن فزاری، ضحاک بن سفیان کلابی، جزء بن حدرجان ازدی، جریر بن عبداللہ بجلی جیسے بہت سے متاخرین کو سابقین اولین پر ترجیح دی گئی تھی اور ان کو ان کے قبول اسلام کے بعد ہی سالاری کے منصب سے سرفراز کیا گیا تھا۔[۳۳]

ریاستی مناصب کے سلسلے میں ایک اور اہم سوال بھی مسلم علماء اور عوام کے ذہنوں کو مسموم کرتا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ رشتہ داری اور قرابت ایک امر مانع ہے اور اس کی موجودگی میں استحقاق کے باوجود کسی کو عہدہ یا منصب نہیں دیا جانا چاہیئے اور اس کو تقویٰ کا اعلیٰ نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ اکثر ببانگ دہل یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین نے اپنے زمانے میں اپنے رشتہ داروں، قرابت داروں اور عزیزوں کو ریاستی مناصب سے دور رکھا اور اس بدعت سیئہ کا آغاز خلیفۂ سوئم نے کیا۔ تاریخی تجزیہ ایسے تمام عمومی دعووں اور تاثرات کی تردید کرتا ہے۔ عہد نبوی میں جو امراء سرایا مقرر کیے گئے

ان میں ہم کو اچھی خاصی تعداد ان حضرات کی نظر آتی ہے جو کسی نہ کسی طور سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری رکھتے تھے۔ آپ کے پہلے دو امیر حضرات حمزہ ہاشمی اور عبیدہ مطلبی قریبی عزیز اور خون کے رشتہ دار تھے اور اول الذکر تو آپ کے چچا تھے۔ دوسرے قریبی اعزہ میں حضرت علی اور حضرت جعفر آپ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے تو حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی آپ کے حقیقی پھوپھی زاد بھائی۔ ان کے علاوہ چھ اور ایسے سالار تھے جن سے آپ کی ازدواجی رشتہ داری یا حلیفانہ قرابت تھی۔ ان میں حضرات ابوبکر تیمی، عمر عدوی، اور ابوسفیان اموی آپ کے خسر تھے تو حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی آپ کی زوجہ محترمہ حضرت حفصہ کے سابق شوہر کے بھائی تھے۔ اور حضرات زید بن حارثہ کلبی تو آپ کے متبنیٰ، مولیٰ اور اہلِ بیت تھے اور ان کے فرزند حضرت اسامہ آپ کے مولیٰ زادہ عزیز و قریب[۳۵]۔ اسوۂ نبوی کی ان مثالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رشتہ داری اور قرابت کا تعلق کسی طور سے حکومتی عہدوں اور ریاستی مناصب کے لیے مانع نہیں ہے بشرطیکہ وہ صلاحیت و لیاقت کی بنیاد پر کئے گئے ہوں اور محض اقربا پروری اور اعزہ نوازی کی خاطر نہ کئے گئے ہوں۔

ایک مصری عالم عبدالمتعال صعیدی نے اسلام کو نوجوانوں/جوانوں کی تحریک کہا ہے کہ اولین مسلمانوں کی اکثریت نوجوانوں پر مشتمل تھی اور اکثر سن رسیدہ اشخاص نے یا تو اس کی مخالفت کی تھی یا اس سے گریز کیا تھا۔ بعد میں اگرچہ سن رسیدہ اور معمر و سربرآوردہ اشخاص بھی اس کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے تاہم مسلم غالب اکثریت نوجوانوں اور جوانوں پر ہی مشتمل تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انتظامی ڈھانچے میں بھی ان کی اکثریت نظر آتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دانستہ طور سے بزرگ اور اکابر صحابہ کو کم از کم اس صیغۂ حکومت میں عام طور سے الگ رکھا تھا، اگرچہ چند مستثنیات اس میں نظر آتے ہیں۔ موخر الذکر طبقہ میں حضرات حمزہ، عبیدہ اور ابوبکر صدیق وغیرہ چند ناموں کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آتا جبکہ بقیہ تمام سالاران سرایا نوجوان طبقہ کے افراد تھے اور ان میں سے بیشتر کی عمریں اٹھارہ بیس سے چالیس سال تک نظر آتی ہیں[۳۶]۔

امرائے سرایا کی تقرری کے اسباب و عوامل پر بحث بہمہ وجوہ طویل ضرور ہو گئی ہے مگر اس کا فائدہ یہ ہے کہ دوسرے عسکری شعبوں کے عہدہ داروں اور منصب داروں کے تقرر پر بحث کرتے وقت اختصار سے کام لیا جا سکے گا۔ فوجی نظام نبوی کے دوسرے شعبوں کے افسروں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست زیر کمان افواج کے مختلف بازوؤں کے سالاروں کا مقام کافی اہمیت کا حامل ہے عہدِ نبوی میں فوجی ترتیب و تنظیم کو خمیس نظام کے نام سے جانا جاتا تھا کیونکہ عرب فوج روایتی طور سے پانچ

حصوں یا بازوؤں پر مشتمل ہوتی تھی اور یہ پانچ بازو تھے: مقدمہ، میمنہ، میسرہ، قلب اور ساقہ۔ عموماً یہ سارے حصے اور بازو بڑی فوج میں پائے جاتے تھے خاص کر غزوات نبوی میں، اور لازمی طور سے یہ بازو اپنے اپنے سالاروں کے ماتحت ہوتے تھے جو جیش کے سالار اعلیٰ کے نائب ہوتے تھے۔ ایسے سالاران جیش نبوی میں صرف چند کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔ ان میں حضرات قیس بن ابی صعصعہ خزرجی، ابوبکر صدیق تیمی، منذر بن عمرو خزرجی، عبداللہ بن جبیر اوسی، حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی، علی بن ابی طالب ہاشمی، زبیر بن عوام اسدی قریشی، سعد بن زید اوسی، صفوان بن معطل ذکوانی سُلمی، اسید بن حضیر اوسی، اوس بن خولی خزرجی، قطبہ بن قتادہ عذری، عبایہ بن مالک انصاری، ابو عبیدہ بن جراح فہری، خالد بن ولید مخزومی، ورد بن خالد سلمی، ابوعامر اشعری اور عبداللہ بن عتیک خزرجی نمایاں ترین سالار تھے[37]۔ ان اٹھارہ افسروں میں سے چھ قریش مکہ کے مختلف خاندانوں میں سے تھے جبکہ آٹھ کا تعلق انصار مدینہ کے دو قبیلوں سے تھا گویا کہ مرکزی عرب کے چودہ افسر تھے جبکہ بقیہ میں سے دو مشرقی قبیلہ بنو سلیم کے تھے۔ ایک کا تعلق جنوبی قبیلہ اشعر سے تھا اور دوسرے کا شمالی قبیلہ بنو عذرہ سے۔ جہاں تک سبقت اسلام کا تعلق ہے تو پانچ سابقین اولین میں سے تھے اور یہ سب کے سب قریشی تھے۔ تمام انصاری سالار مدنی دور اول کے مسلم تھے جبکہ باقی حضرات صلح حدیبیہ سے ذرا قبل اور بعد کے زمانے کے مسلمان تھے۔ ان افسروں میں سے چار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کے عزیز یا ازدواجی رشتہ دار تھے اور سوائے دو کے باقی نوجوان طبقہ کے مسلمان تھے[38]۔

اسلامی فوج کے خیمہ گاہ اور شہر مدینہ کی حفاظت کے لیے جو فوجی دستے اور ان کے افسر مقرر کئے جاتے تھے ان کو مآخذ میں الحرس کا نام دیا جاتا ہے۔ فوجی نظام نبوی کے اس طبقہ افسران میں مشہور و ممتاز ترین محافظ تھے حضرات سعد بن معاذ اوسی، محمد بن مسلمہ اوسی، ذکوان بن عبد قیس خزرجی، عباد بن بشر اوسی، سعد بن ابی وقاص زہری، زید بن حارثہ کلبی، سلمہ بن اسلم اوسی، اسید بن حضیر اوسی، سعد بن عبادہ خزرجی اور اوس بن خولی خزرجی۔ ان کے اسمائے گرامی سے ہی یہ حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے کہ ان میں سے اکثر کا تعلق انصار مدینہ بالخصوص قبیلہ اوس سے تھا اور یہ تمام حضرات مدنی دور اول کے مسلمان تھے اور نوجوان طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جبکہ دونوں مہاجر افسر سابقین اولین کے نوجوان طبقہ کے افراد تھے اور ان میں حضرت زید بن حارثہ آپ کے متبنیٰ اور مولیٰ تھے۔ مآخذ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تو محافظت کا ملکہ و مہارت قبیلہ انصار کا طرۂ امتیاز تھا اور کچھ بیعت عقبہ ثانیہ کی شرط وفاداری و استواری کا پاس و لحاظ تھا چنانچہ اسی سبب یا اسباب سے انصاری افسران حرس کی اکثریت نظر آتی ہے اور انھوں نے ایک سے زیادہ مواقع پر بلکہ کہنا چاہیے کہ حیات طیبہ کے ہر نازک مرحلے پر ذات نبوی، شہر رسول اور اسلامی خیمہ گاہ کی محافظت کا فرض انجام دیا تھا[39]۔

اسلامی خیمہ گاہ (معسکر) کا افسر اعلیٰ یوں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوا کرتے تھے یا سرایا میں افسر و امیر سرایا لیکن کبھی کبھی غزوات کے دوران رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی غیر حاضری کی صورت میں اپنا خلیفہ و نائب مقرر فرما دیا کرتے تھے جو سالار معسکر کہلاتا تھا۔ اس طبقۂ عمال نبوی میں صرف حضرات علی بن ابی طالب ہاشمی، عثمان بن عفان اموی، ابوبکر صدیق تیمی اور عمر بن خطاب عدوی کے اسمائے گرامی ہی مذکور ہوئے ہیں۔ یہ اتفاق کتنا دل چسپ ہے کہ وفات نبوی کے بعد ہی چاروں حضرات یکے بعد دیگرے آپ کے خلیفہ بنے۔ پہلی تقرری جو غزوہ بنی نضیر کے زمانے میں ہوئی کے بارے میں مآخذ کا اختلاف ہے کہ اس موقع پر حضرت علی ہاشمی سالار معسکر تھے یا جناب صدیق اکبر تیمی۔ حضرت عمر فاروق کو خیمہ گاہ کی سالاری کا شرف غزوات خندق، خیبر اور فتح مکہ میں تین مواقع پر ملا تھا جبکہ حضرت عثمان اموی کو صرف غزوہ خیبر میں ایک بار یہ سعادت ملی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق تیمی کو خیبر کے علاوہ غزوۂ تبوک کے عظیم ترین اسلامی لشکر کے ایک نصف کی مستقل سالاری کے ساتھ ساتھ معسکر کی سالاری اور نائب سالار اعلیٰ کا عہدہ بھی عطا ہوا تھا۔ اس طبقۂ عمال میں تمام حضرات سابقین اولین میں سے ضرور تھے تاہم ان میں سے بعض خاص کر عمر فاروق سے بھی زیادہ اسبق مسلمان موجود تھے جن کو یہ سعادت نہیں ملی تھی۔ یہ چاروں حضرات رشتہ دار بھی تھے اور کم از کم دو کا تعلق نوجوان طبقے سے تھا۔

عرض یا لشکر کا معائنہ ایک اہم فوجی شعبہ تھا اور متعدد غزوات کے موقعہ پر اسلامی لشکر کے عرض کی شہادتیں ملتی ہیں، لیکن اس کے افسروں میں سے صرف دو کا نام مذکور ہوا ہے۔ ایک حضرت قیس بن ابی صعصعہ خزرجی تھے جو غزوہ بدر میں افسر عرض رہے تھے۔ احتمال ہے کہ وہ بعد کے دوسرے اور غزوات میں بھی اس عہدہ پر فائز رہے تھے البتہ غزوہ خیبر سے حضرت زید بن ثابت خزرجی مستقل افسر عرض بن گئے تھے حالانکہ وہ عمر و تجربہ کے لحاظ سے خورد صحابہ میں شمار ہوتے تھے کہ اپنی تقرری کے وقت بمشکل وہ سولہ سترہ سال کے نوجوان تھے۔ حضرت قیس خزرجی البتہ عمر و تجربہ کے لحاظ سے سن رشد کو پہنچ چکے تھے۔ ان دو مثالوں سے اس تاثیر کی تصدیق و تائید ہوتی ہے کہ اعداد و شمار سے متعلق معاملات و مسائل میں مدینہ کے خزرجی حضرات کو دوسرے تمام طبقات مسلمین پر ترجیح و فضیلت حاصل تھی اور بلا ریب یہ ان کی حسابی صلاحیت کے سبب تھی۔ یہ دونوں حضرات مدنی دور کے مسلم تھے اور سابقین اولین میں سے ہرگز شمار نہیں کئے جا سکتے۔

اسلامی فوجی نظام میں شہسوار فوج (الخیل) کا ارتقاء کافی دیر سے ہوا لیکن غزوہ احد سے باقاعدہ ایک شہسوار دستہ (الخیل) کا ذکر ملنے لگتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کا ایک افسر بھی ہوتا تھا۔ عہد نبوی کے افسران خیل میں صرف حضرات زبیر بن عوام اسدی، سعد بن زید اوسی، زید بن حارثہ کلبی، سلمہ بن اسلم اوسی اور خالد بن ولید مخزومی کے اسمائے گرامی مذکور ہوئے ہیں۔ ان میں سے اول الذکر دو حضرات نے

دو دو غزوات میں شہسواروں کی سالاری کی تھی جبکہ حضرات زید بن حارثہ کلبی اور سلمہ بن اسلم اوسی نے صرف غزوۂ خندق میں یہ فریضہ باری باری سے انجام دیا تھا۔ حضرت خالد بن ولید مخزومی کے بارے میں اگرچہ تصریح تو نہیں ملتی تاہم روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے قبول اسلام کے بعد تمام غزوات میں افسر خیل رہے تھے گویا کہ یہ عہدہ جلیلہ مستقل طور سے ۶۲۹ء/ ۷ھ کے ایک نو مسلم کو دوسرے سابقین اولین کے مقابلے میں عطا کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ عمرۃ القضیہ، فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک وغیرہ تمام غزوات میں وہ شہسواروں کے سالار رہے تھے۔ اور یہ عہدہ ان کو محض ان کی فنی مہارت و حربی بصیرت کی بنا پر عطا ہوا تھا جس کا شاندار مظاہرہ وہ غزوہ احد کے موقعہ پر مسلمانوں کے خلاف کر چکے تھے۔ ان پانچ افسران خیل میں سے دو سابقین اولین میں سے تھے، دوسرے دو مدنی دور اول کے مسلم تھے جبکہ آخری مستقل افسر خیل متاخر مسلمان طبقہ کے نوجوان تھے۔ دوسرے افسرانِ خیل کا بھی تعلق جوان طبقہ سے تھا جبکہ ان میں سے دو حضرات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز اور رشتہ دار تھے۔[۲۱]

ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اسلامی ریاست کے انتظامی علاقے (ولایات) قائم کئے گئے تو صوبوں یا ولایات میں خاص کر یمن کے صوبے میں ایک صوبائی فوج (الجند) بھی بنائی گئی اور اس کا سالار مدینہ سے روانہ کیا گیا۔ یہ سالار (صاحب الجند) حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی تھے جو حضرت خالد بن ولید مخزومی کے نہ صرف رشتہ دار و ہم قبیلہ تھے بلکہ فتح مکہ کے زمانے کے مسلم اور طلقاء مکہ کے ایک فرد تھے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ ایک نو مسلم متاخر نوجوان مخزومی کو بہت سے معمر اور تجربہ کار سابقین اولین پر ترجیح دی گئی تھی کیونکہ ان کی تقرری ان کی فوجی صلاحیت و قائدانہ لیاقت کے سبب کی گئی تھی جس کے لیے ان کا خاندان شہرت رکھتا تھا۔ ان کی صلاحیت کی مزید تصدیق اس امر سے ہوتی ہے کہ وہ اس عہدہ پر متواتر پندرہ سال یعنی خلافت فاروقی کے اواخر تک فائز رہے تھے۔[۲۲]

میدان جنگ میں قومی یا قبائلی پرچم اٹھانا اور زمانۂ امن میں اس کی حفاظت کرنا ایک بڑا اعزاز ہونے کے علاوہ دوسرے اختیارات و امتیازات کا عہدہ بھی تھا۔ ہر قبیلہ بلکہ ہر بڑے بطن کا اپنا الگ پرچم ہوتا تھا۔ اسلامی ریاست نے اس جاہلی روایت کو قبول کر کے اسے اور وسعت دی۔ چھوٹے سرایا میں عموماً ایک علم اور ایک ہی علمبردار (صاحب اللواء) ہوتا تھا جو پوری امت اسلامی یا ریاست اسلامی کی نمائندگی کرتا تھا۔ مگر بڑے غزوات و سرایا میں مرکزی علمبردار کے ساتھ ساتھ نمائندہ قبیلوں اور بطون کے متعدد علم اور علم بردار ہوتے تھے۔ قبائلی علمبردار عام طور سے ان کے اپنے شیوخ اور سردار ہوتے تھے جن کو سالارِ اعظم کی تائید و تصدیق حاصل ہوتی تھی لیکن ان کے سلسلہ میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے اختیارِ تمیزی کو استعمال کرنے کا حق رکھتے تھے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقعہ پر خزرج کے شیخ حضرت سعد بن عبادہؓ سے علم لے کر ان کے فرزند حضرت قیس بن سعد خزرجی کو اسی اختیار و حق نصب و عزل کے تحت عطا کیا گیا تھا۔ قبائل عرب کے علمبرداروں میں چونکہ سیادتِ قبیلہ و ریاستِ بطن کی بنا پر تقرری ہوتی تھی اس لئے اس میں سبقت اسلام، عمر و تجربہ، مصلحت و حالات کی رعائت وغیرہ اسباب و عوامل کی گنجائش ہی نہیں پیدا ہوتی تھی۔

البتہ اسلامی ریاست یا مرکز کی نمائندگی کرنے والے علمبرداروں کا تجزیہ ہمارے مطالعہ کے لیے دلچسپ اور نتیجہ خیز ہوگا۔ ابتدائی مہموں کے سات علم برداروں کے نام طے ہیں وہ ہیں حضرات ابو مرثد کناز غنوی، مسطح بن اثاثہ مطلبی، مقداد بن عمرو بہرانی، حمزہ بن عبد المطلب ہاشمی، سعد بن ابی وقاص زہری، علی بن ابی طالب ہاشمی اور حضرت حمزہ جن کو یہ اعزاز دوبارہ ملا۔ بلاریب یہ سب سابقین اولین تھے لیکن ان سے بھی اسبق مسلم موجود تھے۔ ان میں دو غیر قریشی تھے جبکہ چار قریشی تھے۔ اور ایک کے سوا بقیہ تمام نوجوان طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ غزوہ بدر کے موقعہ پر ایک نوجوان مسلم قریشی حضرت مصعب بن عمیر عبدری کو اس بنا پر علم نبوی عطا ہوا تھا کہ روایتی طور سے قریش میں علمبرداری کا حق بنو عبدالدار کو حاصل تھا اور اسلامی ریاست نے اس جاہلی روایت کو قبول و برقرار رکھا تھا۔ جہاں تک صحابی موصوف کی صلاحیت ولیاقت کا تعلق ہے انھوں نے غزوہ احد میں اسلامی پرچم کی عزت و حفاظت یوں کی کہ راہِ حق میں جان دے دی مگر اس کی بے عزتی گوارہ نہ کی۔ ان کی شہادت کے بعد علم اسلامی ان کے بھائی حضرت ابو الروم عبدری کو ایک روایت کے مطابق اسی سبب سے عطا کیا گیا تھا۔ اسلامی ریاست کے ممتاز ترین علمبردار کا شرف حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی کو جاتا ہے کہ صحابی موصوف کو کم و بیش دس مواقع پر یہ اعزاز عطا ہوا تھا۔ صحابی موصوف کی سبقت اسلام میں ذرا بھی شبہ نہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عمر، اثر و رسوخ کے اعتبار سے متعدد صحابہ کرام ان سے کہیں زیادہ فائق تھے۔ حضرت علی کی چار تقرریوں کے بعد حضرت ابو بکر صدیق تیمی کو حمراء الاسد اور بنو مصطلق کے غزوات میں پرچم نبوی عطا ہوا تھا جبکہ خندق میں یہ شرف حضرت زید بن حارثہ کلبی کو ملا تھا۔ بنو قریظہ میں حضرت علی کو اور غزوہ بنی غطفان میں حضرت مقداد بن عمرو بہرانی کو پرچم ملا تھا۔ مشہور واقعہ ہے کہ غزوہ خیبر میں حضرات ابو بکر صدیق تیمی، عمر فاروق عدوی اور علی بن ابی طالب ہاشمی کو یکے بعد دیگرے قلعہ قموص کی فتح کے موقع پر پرچم نبوی عطا ہوا تھا۔ دوسرے علمبرداروں میں حضرت حباب بن منذر خزرجی اور حضرت سعد بن عبادہ خزرجی اپنے قبیلے کے علمبردار تھے۔ وادی القریٰ کی مہم میں چار علمبردار حضرات مسطح بن اثاثہ مطلبی، سعد بن عبادہ خزرجی حباب بن منذر خزرجی اور سہل بن حنیف اوسی یا عباد بن بشر اوسی تھے۔ فتح مکہ میں قریشی علمبرداروں میں حضرات علی ہاشمی زبیر بن عوام

اسدی اور سعد بن ابی وقاص زہری کے علاوہ دوسرے قبائل عرب کے علمبر داروں میں لگ بھگ تینتیس[۳۳] اور نام ملتے ہیں جن میں سے پانچ اوس کے، نو خزرج کے، تین سلیم کے، چار مزینہ کے، چھ جہینہ کے، تین خزاعہ کے خاندان بنی کعب بن عمرو کے، دو اسلم کے اور ایک غطفان کے تھے۔ جبکہ غزوہ حنین کے ضمن میں جن قبائل کے علمبرداروں کا صریحی ذکر ہوا ہے ان میں سے تین مہاجرین کے، دو خزرج کے اور ایک اوس کے تھے ظاہر ہے کہ حنین اور طائف کے غزوات میں علمبرداران نبوی کی کم از کم تعداد اتنی ضرور رہی تھی جتنی کہ فتح مکہ میں تھی بلکہ قرین قیاس ہے کہ ان کی تعداد میں فوج کی مناسبت سے اضافہ ہوا تھا۔ تبوک کے غزوہ کے گیارہ علمبرداروں کا نام مذکور ہوا ہے ان میں سے حضرت ابو بکر صدیق تیمی اسلامی ریاست کے علمبردار تھے جبکہ اوس کے ایک اور خزرج کے آٹھ علمبرداروں کے نام شامل ہیں۔ عہد نبوی کی آخری مہم سریہ اسامہ میں علمبرداری کا شرف حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی کو ملا تھا جو ظاہر ہے کہ نہ قریشی تھے نہ انصاری اور نہ ہی سابقین اولین میں سے اس طبقہ افسران فوج میں تقرری کی بنیاد صلاحیت ولیاقت کے علاوہ موقعہ ومحل کی موزونیت بھی معلوم ہوتی ہے[۳۴]۔

اسلامی فوجی نظام میں طلیعہ (گشتی دستہ) کے شعبہ کو خاصی اہمیت حاصل تھی، کیونکہ وہ دشمنوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے اور کئی طرح سے اسلامی فوج کی مدد کرتے تھے۔ غزوہ بدر کے موقعہ پر حضرات زبیر بن عوام اسدی، علی بن ابی طالب، بسبس بن عمرو جہنی اور سعد بن ابی وقاص زہری نے اس فرض کو انجام دیا تھا۔ اس سے ذرا پہلے حضرات طلحہ بن عبید اللہ تیمی اور سعد بن زید عدوی شام سے واپس ہونے والے کارواں کا پتہ لگانے گئے تھے۔ حضرات زید بن حارثہ کلبی اور عبداللہ بن رواحہ خزرجی نے مدینہ والوں کو فتح بدر کی نوید سنائی تھی جبکہ غزوۂ احد میں خلف اسلمی کے دو فرزندوں مالک اور نعمان نے مکی طاقت کا پتہ لگایا تھا۔ اسی طرح اسلم کے تین اشخاص نے قریش کی پسپا ہوتی فوج کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ غزوہ بنی نضیر میں ابو لیلیٰ اسلمی اور عبداللہ بن سلام قینقاعی نے طلیعہ کا فرض انجام دیا تھا۔ ذات الرقاع میں فتح کی خوشخبری حضرت جعال بن سراقہ ضمری لائے تھے۔ بنو قریظہ کو خندق کے موقعہ پر سعد بن معاذ اوسی، اسید بن حضیر اوسی سعد بن عبادہ خزرجی اور خوات بن جبیر خزرجی نے ان کا معاہدہ یاد دلایا تھا۔ غزوات بنی لحیان، حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ، حنین اور تبوک میں بالترتیب حضرات ابو بکر صدیق تیمی، عباد بن بشر اوسی، عمرو بن طفیل ازدی، محمد بن مسلمہ اوسی، علی بن ابی طالب ہاشمی، زبیر بن عوام اسدی، ابو مرثد / مقداد بن عمرو بہرانی نہیک بن اوس خزرجی، اسید بن حضیر اوسی اور زیاد بن حنظلہ تمیمی نے یکے بعد دیگرے طلیعہ کا کام انجام دیا تھا۔ اس میں مرکزی عرب کے تین قبائل کو زیادہ نمائندگی ملی تھی۔ مشرقی

قبیلہ اسلم کو ان کے بعد اور بقیہ کی نمائندگی بہت کم تھی بیشتر طلائع کے افسر بعد کے زمانے کے نوجوان مسلمان تھے اور صرف چند سابقین میں سے تھے[۵۵]

اسلامی نظامِ فوج میں ایک اور اہم شعبہ فوجی جاسوسی اور سراغ رسانی کا تھا جس کے لیے متعدد جاسوس و سراغ رساں (عیون) مقرر کئے گئے تھے۔ غزوہ بدر میں چار سراغ رسانوں حضرات بسبس بن عمرو جہنی، عدی بن ابی الزغبا جہنی، عمار بن یاسر مذحجی اور عبداللہ بن مسعود ہذلی کو مقرر کیا گیا تھا۔ غزوہ احد میں بھی اتنے ہی جاسوسوں کا ذکر ملتا ہے اور ان میں شامل تھے بنو خزرج کے حضرات انس بن فضالہ، حباب بن منذر اور قریش کے علی بن ابی طالب ہاشمی۔ غزوہ رجیع میں یہ خدمت انجام دی تھی حضرات امیہ بن خویلد ضمری اور ان کے فرزند عمرو ضمری نے جبکہ مریسیع کے موقع پر حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی کو مقرر کیا گیا تھا۔ غزوہ خندق کے دوران حضرات خوات بن جبیر خزرجی زبیر بن عوام اسدی اور حذیفہ بن یمان غطفانی حلیف اوس نے یہ فریضہ انجام دیا تھا۔ غزوہ حدیبیہ میں بسر بن سفیان خزاعی نے اور خیبر میں غزال بن اسود نومسلم یہودی نے یہ کام انجام دیا تھا۔ اور غزوہ حنین میں انس بن ابی مرثد قیس عیلانی حلیف قریش اور عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی نے سراغ رسانی کا فرض نبھایا تھا۔ ان اٹھارہ سراغ رسانوں کی اکثریت کا تعلق مغربی بدوی قبیلوں سے تھا۔ وہ سب کے سب نوجوان طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور ان میں پانچ ابتدائی مسلمان تھے جبکہ بقیہ آخری مکی عہد / ابتدائی مدنی عہد کے مسلمان تھے اور کم سے کم چھ صلح حدیبیہ کے بعد کے مسلمان تھے۔ اس طبقۂ عمال میں ممتاز و اکابر صحابہ میں سے صرف تین چار نظر آتے ہیں جبکہ زیادہ تر غیر معروف اشخاص ہیں۔ ظاہر ہے کہ فنی مہارت اور موقعہ و محل کی مناسبت بہت اہم تقرری کی بنیادیں تھیں۔[۵۶]

اسی طرح فوجوں کی ان کی منازل مقصود تک رہنمائی کا شعبہ کافی اہم تھا اور اس کے افسروں کو دلیل کہا جاتا تھا۔ ہجرت نبوی کے سفر میں تو ایک غیر مسلم عبداللہ اریقط دئلی نے رہنمائی کی تھی اور پھر عرج نامی مقام سے ایک مسلم راہبر حضرت سعد العرجی یا مسعود بن ہنیدہ اسلمی کے حصہ میں یہ سعادت آئی تھی۔ غزوات احد، حمراء الاسد، دومۃ الجندل، مریسیع، عسفان اور حدیبیہ میں دلالت کا کام بالترتیب حضرات ابو حثمہ اوسی، ثابت بن ضحاک خزرجی، مذکور عذری، مسعود بن ہنیدہ اسلمی، ابو حدرد اسلمی اور عمرو بن عبد نہم اسلمی نے انجام دیا تھا۔ غزوہ خیبر کے سلسلہ میں کم از کم پانچ راہبروں کے نام ملتے ہیں ان میں سے حضرت حسیل بن خارجہ یا نویرہ اشجعی خدمت بجا لانے کے وقت غیر مسلم تھے اور معاوضہ پر مقرر ہوئے تھے۔ صرف حضرت عبداللہ بن نعیم اشجعی ایک دو سال کے مسلم تھے جبکہ بقیہ تین حضرات یاسر، ابو عریض اور

سماک یہودی غلام تھے اور فوراً اسلام لائے تھے۔ ان میں سے اول الذکر نے حضرت بشیر بن سعد خزرجی کے سریہ میں بھی رہنمائی کی تھی۔ فتح مکہ میں یہ خدمت حضرت غالب بن عبداللہ لیثی نے انجام دی تھی تو تبوک کے موقعہ پر حضرت علقمہ بن فغواز خزاعی نے مذکورہ بالا چودہ پندرہ راہبروں میں بالترتیب مغربی، شمالی، مشرقی اور مرکزی عرب کے قبیلوں کو نمائندگی حاصل تھی اور ان میں چار ابتدائی مدنی یا آخری مدنی عہد کے مسلمان تھے جبکہ پانچ دوسرے صلح حدیبیہ کے زمانے اور باقی اس کے بعد کے مسلمان تھے۔ یہ راہبر عموماً غیر معروف صحابی تھے اور ان میں غیر مسلموں کی شمولیت دل چسپ بھی ہے اور اہم بھی ہے۔ کہنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ ان کی تقرری کی بنیاد ان کی صلاحیت اور موقعہ و محل کے لحاظ سے موزونیت نیز دستیابی تھی۔[۵۴]

فوجی نظام کا ایک اہم شعبۂ عمال اموال غنیمت اور قیدیوں کے نگراں افسروں (اصحاب المغانم) پر مشتمل تھا۔ غزوہ بدر میں حضرت عبداللہ بن کعب خزرجی اور حضرت شقران مولائے رسول غنیمت اور قیدیوں کے افسر تھے جبکہ غزوہ بنو قینقاع میں حضرات محمد مسلمہ اوسی، عبادہ بن صامت خزرجی اور منذر بن قدامہ اوسی نے یہ فریضہ انجام دیا تھا۔ غزوہ بنو نضیر میں حضرات محمد بن مسلمہ اوسی اور ابو رافع مولائے رسول مغانم کے افسر رہے تھے۔ مریسیع کے ضمن میں چار افسروں حضرات بریدہ بن حصیب اسلمی، شقران، محمیہ بن جزء زبیدی اور مسعود بن ہنیدہ اسلمی کا ذکر آتا ہے۔ غزوہ بنی قریظہ میں ایسے افسروں کی تعداد آٹھ تھی جن کے نام تھے حضرات سعد بن زید اوسی، محمد بن مسلمہ اوسی، مسلم بن بجرہ انصاری، علی بن ابی طالب ہاشمی، زبیر بن عوام اسدی، سعد بن عبادہ خزرجی، عبداللہ بن سلام قینقاعی اور محمیہ بن جزء زبیدی۔ موخرالذکر اس کے بعد خیبر میں بھی غنیمت کے افسر رہے تھے۔ خیبر کے تین اور افسر غنائم تھے حضرات مرداس بن مروان خزاعی، فروہ بن عمرو خزاعی اور ابو جہیمہ انصاری۔ فتح مکہ میں افسر تھے حضرت خزاعی بن عبد نہم مزنی۔ جبکہ حنین اور اس کے بعد جعرانہ میں مال غنیمت کی نگرانی کم از کم سات افسروں نے کی تھی جن کے اسمائے گرامی تھے مسعود بن عمرو غفاری / عمرو القاری، بدیل بن ورقاء خزاعی، بسر بن سفیان خزاعی، زید بن ثابت خزرجی، عمر بن خطاب عدوی اور ابو رہم غفاری۔ اور حضرت علی کے سریہ الفلس کے دوران یہ خدمت حضرت ابو قتادہ خزاعی نے انجام دی تھی۔ ان میں مرکزی عرب کے قبیلوں بالخصوص خزرج اور اوس کو کافی نمائندگی ملی تھی۔ دوسرے نمبر پر مغربی عرب کے قبیلے تھے۔ تمام افسران غنیمت میں پانچ سابقین اولین میں سے تھے جبکہ نو آخری مکی عہد کے اور گیارہ مدنی عہد میں اسلام لائے تھے اور بقیہ بعد کے زمانے کے مسلمان تھے۔ ان میں سے اکثر کا تعلق جوان طبقہ سے تھا۔[۵۵] اسلحہ اور فوجی گھوڑوں کے نگراں افسروں میں صرف چار کا ذکر مل سکا ہے۔ ان میں حضرت سعد بن اسعد خزرجی ابتدائی مدنی عہد میں ریاست کے گھوڑوں کے افسر رہے

تھے جبکہ حضرات بشیر بن سعد خزرجی، اوس بن خولی خزرجی اور عبدالرحمن بن ازہر زہری نے بالترتیب یہ خدمت عمرۃ القضیہ اور حنین میں انجام دی تھی۔ ان میں سے موخرالذکر کافی متاخر مسلمان تھے جبکہ بقیہ کا تعلق آخری مکی عہد یا ابتدائی مدنی عہد سے تھا۔[۷۵]

عسکری نظام نبوی کا آخری شعبہ محافظین پر مشتمل تھا جو زمانہ جنگ یا دورامن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ ان میں حضرت بلال حبشی اور حضرت عمار بن یاسر مذحجی کا تو شمار مہاجرین میں تھا بقیہ سولہ محافظین میں سے دس اوس کے تھے اور چھ خزرج کے۔ اوسی حضرات میں سعد بن معاذ، اسید بن حضیر قتادہ بن نعمان، عبید بن اوس، عباد بن بشر اور سلمہ بن اسلم تھے جن میں سے بعض نے ایک سے زیادہ مواقع پر یہ فریضہ انجام دیا تھا خزرجی افسروں میں سعد بن عبادہ ذکوان بن عبد قیس، حباب بن منذر، اوس بن خولی اور ابوایوب خزرجی اہم تھے۔ ان تمام حضرات نے غزوات بدر، احد، حمراء الاسد، ذات الرقاع، حدیبیہ، خیبر اور وادی القریٰ کے مواقع پر ذات نبوی کی حفاظت کی تھی۔ ان میں سے بیشتر ابتدائی مکی اور مدنی عہد کے نوجوان مسلمان تھے۔[۷۶]

مذکورہ بالا تجزیاتی و تحلیلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فوجی افسروں کی تقرری کی بنیاد ان کی انفرادی فوجی صلاحیت اور قائدانہ لیاقت تھی۔ مناصب عسکری پر تقرری کی یہ اصل بنیاد تھی۔ تاہم کبھی کبھی موقعہ و محل کی مناسبت سے بھی فوجی افسروں کی تقرری کی جاتی تھی۔ اس سلسلہ میں مہم کی نوعیت، دشمن کی طاقت، منزل مہم کے حالات، وقت کی ضرورت، درپیش مسائل کی ماہیت اور علاقائی سبب کو مدنظر رکھ کر موزوں ترین قائد کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ اسلامی مہم کی عددی طاقت بھی موزونیت کے معاملہ کو طے کرنے کا لبسا اوقات سبب بن جاتی تھی۔ مسلم مہموں میں شریک مجاہدوں کی قبائلی یا معاشرتی حیثیت بھی بعض حالات میں انتخاب کی وجہ بن سکتی تھی کیونکہ انتخاب انھیں مجاہدین تک محدود رکھنا ہوتا تھا۔ اسی طرح ہر شعبہ کے تقاضوں کی رعائت بھی تقرری کی بنیاد بن جاتی تھی مگر اس کو ہم دوسرے الفاظ میں افسر متعلقہ کی صلاحیت و لیاقت سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ امراء سرایا، طلائع کے افسروں، راہ نماؤں اور سراغ رسانوں کی تقرری میں ان کی علاقائی اور جغرافیائی معلومات کو بھی بہت دخل ہوتا تھا۔ سبقت اسلام تقرری کی بنیادی اور اصلی وجہ نہیں تھی اور نہ ہوسکتی تھی البتہ بعض مخصوص مواقع پر اس کی رعائت ممکن تھی۔ اسی طرح دینی بصیرت اور تعلیمی لیاقت مذہبی اور تبلیغی مہموں میں تو وجہ تقرری بن سکتی تھیں مگر خالص فوجی مہمات میں ان کی جگہ زیادہ سے زیادہ ثانوی ہوسکتی تھی۔ معاشرتی مقام و مرتبہ اور خاندانی شرف و نجابت کا تو خیر کوئی لحاظ اسلامی فوجی نظام میں ممکن نہ تھا البتہ منزل مہم پر آباد قبائل کی رعایت

سے کسی حد تک قبائلی تعلق کو مدنظر رکھا جاتا تھا۔ رشتہ داری، قرابت اور خاندانی تعلق نہ تو تقرری کی بنیاد بنتے تھے اور نہ ہی تقرری کے لیے امر مانع تھے۔ اسی طرح عمر بھی کوئی وجہ تقرری نہ تھی۔ عموماً نوجوانوں / جوانوں کو ترجیح دی جاتی تھی۔ البتہ تجربہ و مہارت خاصی اہم بنیادیں تھیں۔ مجموعی طور سے عہد نبوی میں فوجی مناصب پر تقرری کی بنیاد صرف فوجی صلاحیت و لیاقت تھی اور باقی تمام چیزیں ضمنی اور ثانوی تھیں۔

تعلیقات وحواشی

سلہ ریاست اسلامی کے ارتقاء پر بحث کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کی کتاب "عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت" نقوش رسول نمبر جلد پنجم لاہور دسمبر ۱۹۸۳ء باب اول ص ۹۹-۲۴۳، اور باب دوم ص ۵۲۴-۲۰۰۔

سلہ اس بحث کے لیے ملاحظہ ہو مذکورہ بالا کتاب کا باب سوم ص ۴۷۵-۵۲۵ سلہ مذکورہ بالا ص ۵۳-۳۴۹

سلہ مذکورہ بالا ص ۶۴-۲۵۴ سلہ مذکورہ بالا ص ۴۷-۲۶۴ سلہ مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو باب سوم

سلہ مذکورہ بالا ص ۶۳-۳۶۱ سلہ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۵۶ء، ص ۲۳۱

سلہ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب کا باب سوم ص ۴۰-۵۲۵

سلہ ملاحظہ ہو ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مصر ۱۹۵۵ء دوم ص ۶۰۹ اور ص ۶۳۲؛ واقدی، کتاب المغازی، مرتبہ مارسدن جونز آکسفورڈ ۱۹۶۶ء ص ۵۵۲ اور ص ۷۷۳؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء ص ۸۵ ص ۱۳۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، مصر ۱۹۵۹ء، اول ص ۳۷۷، ص ۳۸۱؛ طبری، تاریخ الرسل والملوک مصر ۱۹۶۱ء ص ۶۴۱ اور سوم ص ۳۲؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مصر ۱۳۳۸ھ چہارم ص ۱۸۰ ص ۲۷۶ اور ابن اثیر، اسد الغابہ تہران ۱۳۷۷ھ پنجم ص ۲۲۹

سلہ ابن ہشام، دوم ص ۶۲۶ اور ص ۶۲۹، ص ۶۲۳، ص ۶۱۸ اور ص ۳۷۳، ص ۶۱۲، ص ۲-۶۱۱؛ واقدی ص ۷۷۷، ص ۷۶۹ اور ص ۸۷۰، ص ۵۶۶ اور ص ۷۵۵ اور ص ۵۵، ص ۷۲۳ اور ص ۷۲۷؛ ابن سعد دوم ص ۱۶۴

سلہ ابن ہشام ص ۲-۶۱۱، ص ۶۴۱، ص ۶۰۹، ص ۶۱۲، ص ۳۷۳ وغیرہ، ص ۴۳۶، ص ۴۲۸، ص ۵۲۶ اور ص ۵۹۲ نیز ص ۶۲۲ اور ص ۶۰۹، واقدی ص ۵۵۲، ص ۶۱۱، ص ۶۴۱ اور ص ۱۸۴، ص ۵۳۴، ص ۵۵۱، ص ۷۵۵، ص ۸۷۰، ص ۸۷۵ اور ص ۱۰۲۵ نیز ص ۷۲۳، ص ۷۲۶، ص ۷۵۰ وغیرہ۔ اسی ترتیب کے ساتھ

سلہ ابن ہشام، دوم ص ۶۰۹، ص ۶۵۷، ص ۶۱۶، ص ۶۱۲، ص ۶۱۷، ص ۶۲۵، ص ۳۷۳ وغیرہ اسی ترتیب کے ساتھ واقدی ص ۱۹۷، ص ۵۵۳، ص ۵۵۵، ص ۵۶۴، ص ۷۵۹ وغیرہ۔ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول ص ۲-۳۷۴

سلہ ابن اثیر، اسد الغابہ، دوم ص ۷-۲۳۴ سلہ واقدی، ص ۹-۱۱۱۸ وغیرہ اور انساب الاشراف، اول ص ۳۷۴

۱۶؎ ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابت کا تاریخی پس منظر" برہان دہلی جنوری ۱۹۸۰ء ص ۲۱-۵
۱۷؎ واقدی، ص ۲۷ ۱۸؎ ابن ہشام ص ۶۱۱ اور واقدی ص ۲۲۳ ۱۹؎ طبری، ص ۱۴۸ اور آگے۔
۲۰؎ ابن ہشام، دوم ص ۲۷۳؛ واقدی ص ۷۵۵؛ ابن سعد، دوم ص ۱۲۸؛ انساب الاشراف، اول ص ۳۸۰؛ طبری سوم ص ۳۶؛ ابن کثیر، چہارم ص ۲۴؛ اور اسد الغابہ اول ص ۲۸۶، دوم ص ۹۳ اور ص ۲۳۴ اور سوم ص ۱۵۶
۲۱؎ ابن ہشام، دوم ص ۴۲۸ اور واقدی، ص ۸۷۵ اور ابن سعد، دوم ص ۱۴۷ وغیرہ۔ ۲۲؎ ابن ہشام دوم ص ۶-۶۲۵ ص ۶۰۹، ص ۹-۶۱۸ واقدی، ص ۵-۱۶۲، ص ۱۸۴، ص ۵۳، ص ۳۹۱، ص ۵۶۶ وغیرہ ۲۳؎ ابن ہشام، دوم ص ۶۳۳
۲۴؎ ابن ہشام، دوم ص ۶۳۴، ص ۲۸۴ وغیرہ؛ واقدی، ص ۸۷۰ اور ص ۸۷۳، ص ۸۷۵ وغیرہ
۲۵؎ ابن ہشام، دوم ص ۶۴۴؛ واقدی، ص ۵۶۸ ۲۶؎ ابن ہشام، دوم ص ۶۲۱ اور واقدی ص ۹۷۴ وغیرہ
۲۷؎ ابن ہشام، دوم ص ۶۰۹، ص ۶۲۱، ص ۵۲۶، ص ۵۹۲ اور ص ۶۴۴۔ اسی ترتیب کے ساتھ ملاحظہ ہو' واقدی ص ۳۴۶ اور ص ۳۵۴، ص ۷۵۲، ص ۱۰۲۵ اور ص ۱۰۷۹، وغیرہ ۲۸؎ تفصیلات اور جدولوں کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب کا تیسرا باب ۲۹؎ ایضاً ۳۰؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب مذکورہ بالا کا تیسرا باب
۳۱؎ اس خیال کے اظہار کے لیے ملاحظہ ہو مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، خلافت و ملوکیت، دہلی ۱۹۶۹ء، ص ۱۰۹ وغیرہ
۳۲؎ ان سالارانِ لشکر کے اسلام کے لیے ملاحظہ ہو اسد الغابہ میں ان کے تراجم نیز خاکسار کی کتاب میں امراء سرایا کی جدول ضمیمہ الف۔ اول۔ ۳۳؎ ایضاً ۳۴؎ ملاحظہ ہو ابن اثیر، اسد الغابہ میں ان کے تراجم ۳۵؎ عبد المتعال صعیدی، شباب قریش فی العہد السری للاسلام، قاہرہ ۱۹۴۷ء، اول تا آخر ۳۶؎ اسد الغابہ میں ان کے تراجم نیز صعیدی کی مذکورہ بالا کتاب۔ ۳۷؎ ابن ہشام، اول ص ۴۵۷ اور ص ۶۱۳، دوم ص ۶۵، ص ۲۹۸، ص ۲۳۴، ص ۲۲۸، ص ۲۷۷ ص ۶-۴۰۶ اور ص ۴۵۴ واقدی، ص ۲۶، ص ۵۸، ص ۲۱۷، ص ۲۱۹، ص ۳۳۱، ص ۴۲۸، ص ۴۱۶، ص ۴-۶۲۳، ص ۶۶۴ ص ۴۹۹، ص ۵۰۳، ص ۵۴۷، ص ۵۴۵، ص ۶۸۹، ص ۶-۶۴۵، ص ۶۰۲، ص ۵-۷۲۳، ص ۸۰۱، ص ۸۱۵، ص ۸۱۹، ص ۸۲۵ ص ۸۹۷، ص ۹۱۵، ص ۹۲۳، ص ۱۰۳۴ اور ص ۱۰۹۳۔ نیز مذکورہ بالا کتاب کا ضمیمہ الف۔ دوم
۳۸؎ ضمیمہ الف۔ دوم نیز اسد الغابہ میں ان کے تراجم ۳۹؎ ایضاً۔ صفحات کے لیے ملاحظہ ہو حوالہ ۳۷؎
۴۰؎ ایضاً ۴۱؎ ایضاً۔ ۴۲؎ ایضاً۔ ۴۳؎ ایضاً۔ نیز ملاحظہ ہو ابن اثیر، اسد الغابہ، سوم ص ۱۵۵
۴۴؎ ابن ہشام، اول ص ۳-۶۱۲، دوم ص ۶۶، ص ۷۳، ص ۲۲۸، ص ۳۳۴، ص ۴۰۷، ص ۶۳۱ وغیرہ واقدی ص ۸-۵۶، ص ۲۱۵، ص ۲۳۹، ص ۳۱۵، ص ۳۳۵، ص ۳۸۸، ص ۴۰۷، ص ۴۹۷، ص ۶۴۹، ص ۷۰۱، ص ۱-۸۰۰، ص ۸۲۲، ص ۶-۸۹۵، ص ۱۰۰۳ اور ص ۱۱۱۸؛ ابن سعد، دوم ص ۹-۶، ص ۱۲، ص ۲۹، ص ۳۱، ص ۴۹، ص ۹-۵۸، ص ۶۳، ص ۶۷، ص ۷۴، ص ۸۰، ص ۱۰۶، ص ۱۳۵، ص ۱۵۰ اور ص ۱۹۰ اور اسد الغابہ میں ان کے تراجم نیز ضمیمہ الف، سوم

۴۵ ابن ہشام اول ص ۶۱۶، ص ۶۲۲، دوم ص ۲۲۱ اور ص ۳۹۸؛ واقدی، ص ۱۹، ص ۵۱، ص ۶۱، ص ۱۱۴، ص ۳۳۷، ص ۳۴۲، ص ۴۵۸، ص ۵۳۶، ص ۵۷۴، ص ۶۳۰، ص ۹۲۳، ص ۶۴۴، ص ۹۷۷ اور ص ۱۰۴۱ نیز اسد الغابہ میں ان کے تراجم۔ ملاحظہ ہو ضمیمہ الف۔ چہارم ۴۶ ابن ہشام، اول ص ۶۱۴، دوم ص ۹۳، ص ۲۳۱، ص ۲۳۴۔ واقدی، ص ۲۲، ص ۵۴، ص ۲۰۶، ص ۲۰۴، ص ۴۵۷، ص ۲۶۰، ص ۴۸۹، ص ۸۹۳؛ اسد الغابہ میں ان کے تراجم؛ نیز ضمیمہ الف، پنجم

۴۷ واقدی، ص ۲۱۸، ص ۵۸۴، ص ۶۳۹، ص ۶۴۱، ص ۶۴۷، ص ۷۲۴ اور ص ۹۹۹؛ ابن اثیر، اسد الغابہ میں ان کے تراجم۔ نیز ملاحظہ ہو ضمیمہ الف۔ ششم ۴۸ ابن ہشام، اول ص ۶۴۳، دوم ص ۲۴۵، ص ۳۶۱، ص ۴۵۹؛ واقدی ص ۱۰۰، ص ۱۰۵، ص ۱۷۷-۱۷۸، ص ۳۷۴، ص ۳۷۹، ص ۴۱۰، ص ۵۰۹، ص ۵۱۳، ص ۵۲۳، ص ۶۸۰، ص ۹۲۳، ص ۹۴۳، ص ۹۴۹ اور ص ۹۵۲؛ اسد الغابہ میں ان کے تراجم۔ نیز ضمیمہ الف۔ ہفتم۔

۴۹ واقدی، ص ۳۳۷ اور ص ۴۳۵ اور اسد الغابہ میں ان کے تراجم۔ نیز ضمیمہ الف۔ ہشتم

۵۰ ابن ہشام اول ص ۶۲۸، دوم ص ۲۰۸ اور ص ۲۴۰؛ واقدی، ص ۵۵، ص ۲۰۸، ص ۲۱۷، ص ۳۳۴، ص ۳۳۶، ص ۳۹۷ اور ص ۶۰۶؛ اسد الغابہ میں ان کے تراجم؛ نیز ضمیمہ الف۔ نہم۔

تصانیف مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی

اسلام ایک نظر میں	15-00	تلخیص تفہیم القرآن	-00
دین کا قرآنی تصور	8-00	دین کا مطالعہ	1-25
اساس دین کی تعمیر	12-00	راہِ حق کے مہلک خطرے	1-25
حقیقت نفاق	4-25	یکساں سول کوڈ اور مسلمان	-60
اسلام اور اجتماعیت	5-00	مسلم پرسنل لا دینی و ملی نقطۂ نگاہ سے	-40
فریضۂ اقامت دین	8-00	نکاح کے اسلامی قوانین	3-00
قرآن مجید کا تعارف	3-00	اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ (ترجمہ)	5-00
تحریک اسلامی ہند	10-50	افادات شاہ ولی اللہؒ (ترجمہ)	
معرکۂ اسلام و جاہلیت	17-00	حقیقت عبودیت	
اسلامی نظام معیشت	2-00	مسلمان اور دعوت اسلام	1-00

مرکزی مکتبہ اسلامی — دہلی ۶